بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وسیلہ قرب الٰھی

تقریر: غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب۔قاضی محمد غوث۔ایم،اے(بہاول پور۔پاکستان)
تخریج وتلخیص وترتیب نو۔خلیل احمد رانا

نحمدہٗ ونصلّی ونُسلّم علی رسولہٖ الکریم

أما بعد فأعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

یآ أیھا الذ ین ا منوا اتقوا اللہ وابتغوآ الیہ الوسیلۃ (القرآن الحکیم:سورۃ المائدۃ،آیت ۳۵)

محترم حضرات! سیدنا حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی مبارک یاد کے سلسلہ میں اس تقریب سعید کا اہتمام کیا گیا ہے،نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ قرآن وحدیث کی روشنی میں گفتگو کروں گا،قبل اس کے کہ میں اس آیت کریمہ کا ترجمہ کروں اور اپنے موضوع پر گفتگو کروں،یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اولیاء اللہ کی محبت،اللہ کی محبت سے کوئی جداگانہ چیز نہیں ہے اور اولیاء اللہ کے کمالات اور ان کے ارشادات اور ان کی مقدس تعلیمات کتاب وسنت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ کتاب وسنت کی تعلیمات کا جو خلاصہ ہے وہ حضرات اولیاء اللہ کی تعلیمات میں پایا جاتا ہے اور کتاب وسنت نے جن امور کو انسانیت کا کمال قرار دیا ہے وہی امور بطور کمالات حضرات اولیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ذوات قدسیہ میں پائے جاتے ہیں،اولیاء اللہ کی محبت عین اللہ کی محبت ہے اور یہ صحیح ہے،اولیاء اللہ کی تعظیم عین اللہ کی تعظیم ہے،اولیاء اللہ کی تعلیمات عین اللہ کی تعلیمات ہیں اور مجھے کہنے دیجئے کہ اولیاء اللہ کے کمالات جلوہ ہیں کمالات الوہیت کا،اور تجلی ہیں جمال الوہیت کی،خدا کے کمال الوہیت اور جمال الوہیت سے الگ مستقل حیثیت میں ہم کوئی چیز اولیاء کے لئے ثابت نہیں کرتے اور ہم تو اولیاء کرام کو کسی اور نسبت کی بناء پر تسلیم نہیں کرتے بلکہ اولیاء اللہ کو ہمارا ماننا،ان کو تسلیم کرنا،ان سے محبت وعقیدت رکھنا صرف اور صرف اس لئے ہے کہ وہ اولیاء اللہ ہیں،اور قاعدہ ہے کہ محبوب کا محبوب،محبوب ہوتا ہے۔

اللہ ہمارا محبوب ہے اور اولیاء،اللہ کے محبوب ہیں،جب یہ اللہ کے محبوب ہیں تو ہمارے بھی محبوب ہیں،دوست

کے دشمن کو ہم اپنا دوست نہیں بنا سکتے اور دوست کے محبوب کو ہم اپنا دشمن قرار نہیں دے سکتے، جس شخص کو ہمارے دوست سے عناد ہے وہ کبھی ہمارا محبوب نہیں بن سکتا اور جس شخص کو ہمارے دوست سے محبت اور خلوص ہے وہ کبھی ہمارا دشمن نہیں بن سکتا۔

ہم اولیاء اللہ کو محض اس لئے مانتے ہیں کہ وہ اللہ والے ہیں اور ان کا ماننا دراصل اللہ کا ماننا ہے، ان کو اللہ سے کوئی نسبت نہ ہوتی تو ہمارا ان سے کیا تعلق تھا؟، ہمارا تعلق تو محض اس لئے ہے کہ وہ اللہ والے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم ان بزرگوں کی یاد مناتے ہیں۔

حضور غوث پاک نہ صرف اللہ کے ولی ہیں بلکہ اولیاء کے سردار ہیں، اگر ہم ان کی یاد میں کوئی جلسہ منعقد کرتے ہیں، عرس مناتے ہیں، فاتحہ و نیاز کا اہتمام کرتے ہیں، تبرک تقسیم کرتے ہیں، فقط اس لئے کہ یہ اللہ والے ہیں اور اللہ سے ان کی نسبت ہے، لہذا اولیاء سے نسبت رکھنا، اللہ سے نسبت رکھنے کی دلیل ہے، معلوم ہوا کہ اللہ والے، اولیاء کا دن منا سکتے ہیں اور جو اللہ والا نہ ہو اس کا اولیاء سے کیا تعلق؟، اولیاء سے تعلق، اللہ والا ہونے کی دلیل ہے اور اللہ سے تعلق کی دلیل ہے، اولیاء سے محبت اللہ سے محبت کی دلیل ہے، اولیاء کی تعظیم خدا کی عظمت کے اعتقاد کی دلیل ہے، اولیاء سے قرب، خدا کے قرب کے حصول کی دلیل ہے، جن لوگوں نے اولیاء سے علیحدگی اختیار کی انہوں نے خدا سے علیحدگی اختیار کر لی، خدا کا قرب اولیاء کا قرب ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے ''نَحْنُ أَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ''

(القرآن الحکیم: سورۃ ق، آیت ۱۶)

ترجمہ ۔ ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔

اب ولی کی بیچ میں کیا ضرورت ہوگئی؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے ہم شہ رگ سے بھی قریب ہیں، بات ختم ہوگئی، اب ہمیں کیا ضرورت ہے کہ حضور غوث پاک کے ذریعہ، حضرت خواجہ غریب نواز کے ذریعہ، حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کریں، جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ''نَحْنُ أَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ'' ہمارے پیش نظر ہے تو پھر اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کسی ولی کی ضرورت نہیں، ہمارا خدا خود ہم سے قریب ہے، وہ ہماری بات کو سنتا ہے، ہمیں دیکھتا ہے، ہماری اور ہمارے دل کی بات کو جانتا ہے، وہ سمیع و بصیر ہے اور ہمارے حالات کا علیم و خبیر ہے اور ہم سے قریب ہے تو ان اولیاء کرام کی درمیان میں کیا ضرورت پڑ گئی، یہ ہمیں خدا کے قریب کیسے کریں گے؟۔

بلکہ یہاں تک بات سامنے آ گئی کہ یہ مشرکوں کا عقیدہ تھا، وہ کہا کرتے تھے کہ " مَانَعْبُدُ هُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللهِ زُلْفٰى " القرآن الحکیم: سورۃ زمر، آیت ۳

ترجمہ۔(کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر صرف اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔

تو معلوم ہوا کہ کسی کو خدا سے قریب کرنے کا عقیدہ رکھنا یہ تو مشرکوں کا عقیدہ ہے، مسلمانوں کا عقیدہ کہاں ہے؟ ہمارا خدا تو ہم سے قریب ہے، لہذا ہمیں کیا ضرورت ہے کہ کسی کو خدا کے قرب کا وسیلہ اور ذریعہ بنائیں۔

یہاں ایک بات عرض کر دوں! سنیے، پہلی بات تو یہ ہے، یہ کہنا کہ مخلوق کسی بندے کو اللہ کے قریب نہیں کر سکتی، یہ بنیادی طور پر غلط ہے، اگر یہ بات صحیح ہوتی تو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں کیوں فرماتا!

"يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا O وَّ دَاعِيًا اِلَى اللهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا O"

القرآن الحکیم: سورۃ الاحزاب، آیت ۴۵، ۴۶

ترجمہ۔اے نبی بے شک ہم نے آپ کو مشاہدہ کرنے والا اور خوش خبری سنانے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا، اور اللہ کی طرف اُس کے حکم سے بلانے والا اور روشن کرنے والا آفتاب۔

اَب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ "وَ دَاعِيًا اِلَى اللهِ بِاِذْنِهٖ" حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اللہ کے بندوں کو اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلائیں گے، تو اللہ کے بندوں کو اللہ کے کے قریب کریں گے یا نہیں؟۔

تو یہاں " وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ " آپ کو یاد نہیں آیا، خدا خود سمیع و بصیر ہے وہ خود ہی اپنے بندوں کو اپنی طرف متوجہ کر لے۔ "وَدَاعِيًا اِلَى اللهِ بِاِذْنِهٖ" کی کیا ضرورت ہے؟

اگر نبی کا آنا کسی حکمت پر مبنی ہو سکتا ہے تو اولیاء کا وجود بھی حکمت پر مبنی ہو سکتا ہے، معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کا تشریف لانا بھی خدا کے قرب کے منافی نہیں اور اولیاء اللہ کا ہمارے لئے وسیلۂ قربِ خداوندی ہونا بھی اس آیت کے منافی نہیں، اب میں آپ کو مشرکین کے اس قول "مَانَعْبُدُ هُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللهِ زُلْفٰى" کی حقیقت بتاتا ہوں۔

وہ کہتے ہیں کہ ہم ان (باطل) معبودوں کی، لات کی، منات کی، ھبل کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں، بالکل ٹھیک ہے، مشرکین یہی کہتے تھے۔

ارے کم از کم " مَانَعْبُدُ هُمْ اِلَّا " کا ترجمہ تو سمجھو (ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لئے کرتے ہیں)، کس لئے عبادت کریں، عبادت تو کرتے ہیں، اور عبادت بھی بتوں کی کرتے ہیں، کس لئے کرتے ہیں یہ علیحدہ چیز ہے کہ

ان کی غرض کیا ہے، مقصد کیا ہے، مگر یہ تو ثابت ہے کہ وہ بتوں کی عبادت کے قائل ہیں۔

الحمد للہ ہمارا ایمان ہے، ہمارا معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں ہے، ہم نہ حضور غوث پاک علیہ الرحمۃ کی عبادت کرتے ہیں، نہ ہم خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کی عبادت کرتے ہیں اور نہ ہم حضور داتا گنج بخش سیدی علی ہجویری علیہ الرحمۃ کی عبادت کرتے ہیں، ہم کسی ولی کی عبادت نہیں کرتے، ہم کسی نبی کی عبادت نہیں کرتے، اگر خدا کے سوا ہم کسی عبادت کرتے تو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتے، مگر ہم ان کی بھی عبادت نہیں کرتے۔

مشرکین کہتے ہیں "مَانَعْبُدُ هُم" ہم ان کی عبادت کرتے ہیں، غیر اللہ کی عبادت کرنا یہی تو شرک ہے اور ہم کسی کی بھی عبادت نہیں کرتے اور کسی لئے بھی نہیں کرتے۔

یہاں دو باتیں ہیں، ایک تو مشرکین غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے، دوسرے اس لئے کہ وہ انہیں خدا سے قریب کردیں، میں پوچھتا ہوں کیا بتوں میں خدا سے قریب کردینے کی صلاحیت تھی؟ ارے نہ تو ان میں خدا سے قریب کر دینے کی صلاحیت تھی اور نہ وہ معبود ہو سکتے تھے، کیونکہ معبود تو صرف ایک ہی ہے۔

ہم اولیاء اللہ کی عبادت نہیں کرتے، ہم انہیں اللہ کی بارگاہ میں قرب کا وسیلہ مانتے ہیں، اب رہی یہ بات کہ ایک مخلوق کیسے وسیلہ ہو پائے گی اور وسیلے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے، سمیع ہے، بصیر ہے، خبیر ہے، قدیر ہے، قریب ہے، اس کی بارگاہ میں وسیلے کی کیا ضرورت ہے؟، اللہ تعالیٰ کی ذات تو اس سے بہت بلند ہے کہ اس کے اور اپنے درمیان ہم کسی چیز کو وسیلہ بنائیں، کیونکہ "نَحْنُ أَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدْ" اس کی شان ہے۔

یہاں میں عرض کرتا ہوں، قرآن نے صاف کہا:

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

ترجمہ۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

یہ میری بات نہیں، قرآن ہے، حدیث بھی نہیں ہے جس کو لوگ ضعیف کہہ دیں یا غلط کہہ دیں، یہ تو قرآن کی آیت ہے، اللہ فرماتا ہے وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ، اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو، تو اب آپ بتائیں کہ اللہ نے ہمیں وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا یا نہیں؟، تو جس چیز کا حکم خود خدا دے تو اس کو شرک کہنے والا پھر کون ہوگا؟

رہا یہ امر کہ وسیلے سے مراد یہاں اولیاء اللہ نہیں ہیں، بلکہ نماز ہے، حج ہے، روزہ ہے، زکوٰۃ ہے، اعمال صالحہ ہیں، تم لوگوں نے اولیاء کو وسیلہ بنالیا، یہ کیا بات ہوئی؟

www.IslamiEducation.com

اگر یہ بات کہی جائے تو یہ بہت غلط بات ہے، کیونکہ بات تو یہ تھی کہ مخلوق ہمارے اور خالق کے درمیان وسیلہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے یا نہیں؟ جب اللہ تعالیٰ نَحْنُ أَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْد ہونے کی شان رکھتا ہے تو پھر کوئی مخلوق چاہے اولیاء ہوں یا اعمال صالحہ ہوں، ہمارے اور خدا کے درمیان وسیلہ بنے، یہ بات بنتی نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی بھی مخلوق وسیلہ نہیں ہے تو یہ بتاؤ کہ اعمال مخلوق ہیں یا خالق ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے! وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْن

القرآن الحکیم: سورۃ الصّٰفّٰت، آیت ۹۶

ترجمہ۔ حالانکہ تمہیں اور تمہارے سب کاموں کو اللہ ہی نے پیدا فرمایا۔

جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو بھی پیدا کیا، تو ایمان سے کہنا کہ اعمال خدا کی مخلوق ہیں یا نہیں؟، میں بڑی حیرت میں مبتلا ہوں کہ عمل جو مخلوق ہیں وہ وسیلہ ہو سکتے ہیں اور وہ شخص جو اعمال صالحہ کا فاعل ہے یعنی جو اعمال صالحہ کرنے والا ہے وہ وسیلہ نہیں ہو سکتا، یہ عجیب سی بات ہے۔

اعمال صالحہ کو قرآن کی روشنی میں ہم بے شک وسیلہ مانتے ہیں، مگر یاد رکھو عمل تو کوئی چیز نہیں ہے، وہ تو ایک عرض ہے، ایک امر معنوی ہے، وہ خود تو پایا نہیں جاتا، میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ نماز کہیں پائی جاتی ہے؟ ارے بھائی نماز کہیں پائی جائے گی تو وہ نمازی میں پائی جائے گی، نمازی نماز پڑھے گا تو نماز کا وجود ہوگا، نمازی نہ ہو تو قیام کہاں ہوگا، رکوع کہاں ہوگا، سجود کہاں ہوگا، نمازی کا جسم کھڑا ہے تو قیام ہے، نمازی کا جسم جھکا ہے تو رکوع ہے، نمازی نے سر زمین پر رکھا ہے تو سجدہ ہے، نمازی نہ ہوگا تو نماز کہاں ہوگی؟

ہم اولیاء اللہ کو وسیلہ اس لئے کہتے ہیں کہ اعمال صالحہ کا وجود عامل کے بغیر نہیں ہو سکتا، ورنہ نمازی سے الگ ہو کر نماز کو ڈھونڈو، روزہ دار تو دنیا میں کوئی نہ ہو اور روزہ آپ کو مل جائے، یہ کیسے ممکن ہے؟ سچ بولنے والا کوئی نہ ہو تو سچ آپ کو کہاں ملے گا، قرأتِ قرآن کرنے والا کوئی نہ ہو تو تلاوت آپ کو کہاں ملے گی؟ کوئی بھی نیک عمل آپ کو نہیں مل سکتا جب تک اس نیک عمل کو کوئی کرنے والا نہ ہو، تو عزیز و دوستو اعمال صالحہ کا وجود بغیر عمل کرنے والے کے متحقق نہیں ہوتا۔

ہم اولیائے کرام کی ذواتِ قُدسیہ کو جو وسیلہ مانتے ہیں تو وہ اعمال صالحہ سے الگ متصور کر کے وسیلہ نہیں مانتے، بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ اعمال صالحہ کے لئے عامل ہیں، نمازی ہیں، حاجی ہیں، روزہ دار ہیں، زکوٰۃ دینے والے ہیں، اللہ کا ذکر کرنے والے ہیں، عبادت گزار ہیں، ہم ان کے اعمال کی وجہ سے ہی تو انہیں وسیلہ مانتے ہیں، اور ان کو وسیلہ

www.IslamiEducation.com

ماننا دراصل اعمال ہی کو وسیلہ ماننا ہے، خدا کی قسم یہ وسیلے کا حکم میں نے نہیں دیا بلکہ خود خدا تعالیٰ نے دیا ہے، اعمال صالحہ کو میں اصل اور بنیاد مانتا ہوں، مگر یاد رکھیے کہ اولیاء اللہ کو وسیلہ قرار دینا انہی اعمال کی بنیاد پر ہے، اگر اعمال کا تصور ہٹا لیا جائے تو پھر اولیاء کا وسیلہ، وسیلہ نہیں۔

ابھی میں نے آپ کو بتایا کہ ہم ولی کو ولی مانتے ہی اس لئے ہیں کہ وہ اللہ والا ہے، وہ اللہ والا کب ہے؟ جب وہ روحانیت سے سرشار ہے، جب وہ عبادت گزار ہے، جب وہ اللہ کی محبت والا ہے، جب ہی تو وہ اللہ والا ہے۔

اللہ کی محبت نیک عمل ہے، یہ روحانیت، یہ تقویٰ، یہ ریاضت، یہ طہارت، یہ مجاہدہ، یہ شب بیداری، یہ عبادت گزاری، یہ کیا ہے؟، یہ نیک عمل ہے اور یہ نیک عمل کرنے والے اولیاء اللہ ہیں، ان کا وسیلہ ہونا یہ اعمال صالحہ کی جہت سے ہے، ذرا عقل سے کام لو اور سوچو، اس لئے تو میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خود وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بات تو ثابت ہے کہ کوئی نیک عمل اس وقت تک وسیلہ نہیں ہے جب تک کہ اس کا تعلق کسی نیک اور صالح کی ذات سے نہ ہو۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ منافق نماز پڑھتے تھے یا نہیں پڑھتے تھے؟ کلمہ پڑھتے تھے یا نہیں؟ تو میرے پیارے عزیزو کیا ان کی نماز ان کے لئے وسیلہ تھی؟ کیا ان کا کلمہ ان کے لئے وسیلہ تھا؟ نہیں تھا، اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ منافق وہ نماز پڑھتے تھے کہ جس نماز کی کوئی نسبت پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ تھی۔ تو پتہ چلا کہ کلمہ اس وقت تک کلمہ نہیں جب تک اس کی نسبت کلمہ لانے والے کی ذات سے نہ ہو اور نماز اس وقت تک نماز ہی نہیں جب تک کہ نماز لانے والے کی ذات سے اس کا تعلق نہ ہو، ورنہ یہ نقالی ہوگی اور نقالی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

یہی فرق ہے اتباع اور نقالی میں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''فَاتَّبِعُوْنِی'' میرے محبوب کی اتباع کرو، اتباع کے معنی ہیں کہ میرے محبوب کی محبت میں اس قدر مستغرق ہو جاؤ کہ ان کی محبت کے تقاضے کی بنا پر تم ان کی اداؤں کے سانچے میں ڈھل جاؤ۔

نہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم بھی کر لو تو تمہاری نجات ہو جائے گی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، قیام فرمایا، رکوع فرمایا، سجدہ فرمایا، یہ سارے عمل منافق بھی کرتے تھے، مگر ان کی نجات نہیں ہوئی، کیوں نہیں ہوئی؟ اس لئے کہ منافقین کا کوئی عمل بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی بنیاد پر نہ تھا، لہٰذا وہ اعمال صالحہ کی بنیاد بھی قرار نہ پائے، اس لئے منافقین کی نمازوں کو ہم اتباع رسول نہیں کہہ سکتے۔

اتباع رسول میں کس کی نماز تھی؟ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا علی کرّمَ اللہ وَجْہَہُ الکریم کی، اہل بیت اطہار کی، صحابہ کرام کی، ازواج مطہرات کی، تابعین کی، تبع تابعین کی، سلف صالحین کی، مشائخ کرام کی، اولیاء اللہ کی۔

ان حضرات کی جو عبادت تھی، خدا کی قسم وہی عبادت ہے، وہی طاعت ہے، وہی نماز ہے، ان کی سب نیکیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور محبت سے خالی ہو وہ اگر قیام بھی کرے، رکوع کرے، سجدہ کرے، کچھ بھی کرے کوئی فائدہ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ سَیَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْآنِ اِلَّا رَسْمُہٗ مَسَاجِدُھُمْ عَامِرَۃٌ وَھِیَ خَرَابٌ مِّنَ الْھُدٰی ...

یہ روایت مشکوٰۃ، کتاب العلم (عربی) مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ص ۳۸ پر ''یوشک ان یاتی'' کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے، البتہ کنز العمال میں حدیث نمبر ۳۱۱۳۲ میں ''سیا تی'' کے ہی الفاظ ہیں۔

ترجمہ: عنقریب لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا، اسلام کا صرف نام رہ جائے گا اور قرآن کے صرف نقوش رہ جائیں گے، ان لوگوں کی مسجدیں کھچا کھچ بھری ہونگی مگر ہدایت سے خالی ہوں گی۔

۲۔ وفی روایۃ... تَحْقِرُوْنَ صَلَاتَکُمْ مَعَ صَلَاتِھِمْ وَصِیَامَکُمْ مَعَ صِیَامِھِمْ وَعَمَلَکُمْ مَعَ عَمَلِھِمْ وَیَقْرَءُ وْنَ الْقُرْآنَ لَایُجَاوِزُ حَنَاجِرَھُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ کَمَا یَمْرُقُ السَّھْمُ مِنَ الرَّمِیَّۃِ ...

صحیح بخاری، باب من رایا بالقرآن، کتاب فضائل القرآن، جلد ۲، صفحہ ۷۵۶

ترجمہ: (اے میرے صحابہ) تم لوگ اپنی نمازوں کو اُن کی نمازوں کے سامنے ہیچ سمجھو گے اور یوں ہی اپنے روزوں کو بھی اُن کے روزوں کے سامنے اور اپنے اعمال صالحہ کو بھی اُن کے اعمال کے سامنے بے وقعت سمجھو گے، دین سے وہ ایسے خارج ہو جائیں گے جیسے تیر کمان سے۔

۳۔ وفی روایۃ '' فَاِیَّا کُمْ وَاِیَّا ھُمْ لَا یُضِلُّوْ نَکُمْ وَلَا یَفْتِنُوْنَکُمْ''

صحیح مسلم، مقدمہ، باب: النھی عن الروایۃ عن الضعفاء، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی، جلد اول، ص ۱۰

ترجمہ: تم اُن سے بچواور دور رہو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور فتنے میں نہ ڈال دیں۔

وہ لوگ قرآن بھی پڑھیں گے مگر حلق سے نیچے نہیں اُترے گا، اُترے کیسے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے بغیر تو قرآن حلق سے نہیں اُترتا۔ نمازیں بھی پڑھیں گے، تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلے میں حقیر سمجھو گے۔ روزے بھی رکھیں گے، ان کی مسجدیں آباد ہوں گی مگر ہدایت سے خالی ہوں گی۔ اس لئے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع نہ ہوں گے، صرف نقل کرنے والے ہوں گے۔ نقالی اور چیز ہے، اتباع اور چیز ہے۔ نقالی سے نجات نہیں ہوتی، اتباع سے نجات ہوتی ہے اور اتباع وہ چیز ہے جس میں متبوع کے ساتھ رابطہ ہو، تعلق ہو، لگاؤ ہو، محبت ہو۔ جب کوئی صالح عمل صالح کی ذات سے نسبت کے بغیر عملِ صالح قرار نہیں پاتا تو صالحین کو نظر انداز کر کے اور صرف اعمال کی ظاہری شکل و ہیئت کو وسیلہ قرار دے دینا، میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ اَب آپ کا یہ تصور کہ بھئی جب اللہ قریب ہے تو پھر اللہ کے قریب ہونے کے لئے وسیلے کی کیا ضرورت ہے؟

میں عرض کرتا ہوں! خدا سب کے قریب ہے کہ نہیں؟ یہ ہمارا ایمان ہے کہ خدا علماً قدرتاً [علم اور قدرت کے لحاظ سے] سب کے قریب ہے اور کائنات کے ذرے ذرے کو خدا محیط ہے اور کائنات محاط ہے، از روئے علم، از روئے قدرت، از روئے احاطہ خدا سب کے قریب ہے اور خدا کسی سے دور نہیں، خدا تو ہر ایک کے قریب ہے مگر خدا کے قریب کوئی کوئی ہے۔

شاید آپ دل میں یہ بات سوچیں کہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ جب خدا سب کے قریب ہے تو پھر سب خدا کے قریب کیوں نہیں ہیں؟ بلکہ کوئی کوئی قریب ہے، یہ عجیب بات ہوئی!

آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں، یہ بتایئے کہ خدا تعالیٰ کافروں کے ساتھ اُن کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے کہ نہیں؟، خدا ابوجہل کے قریب تھا کہ نہیں اور قریب ہے، اسی طرح ابولہب، عتبہ، شیبہ، کعب بن اشرف، رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی وغیرہ، یہ جتنے کفار مشرکین اور منافقین ہیں، کیا اللہ ان کی شہ رگ سے زیادہ قریب نہیں؟، بتایئے کیا یہ سب خدا کے مقربین ہیں؟ کیا ابوجہل کو، عتبہ کو، شیبہ کو، عبداللہ بن اُبی منافق کو خدا کا مقرب مانو گے؟

نہیں بالکل نہیں، بے شک خدا تو ان کے قریب تھا مگر وہ خدا کے قریب نہیں تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خدا تو سب کے قریب ہے مگر ہر ایک خدا کے قریب نہیں ہوسکتا۔ لگتا ہے ابھی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ تو میرے پیارے دوستو میں پھر

سمجھائے دیتا ہوں۔

خدا کے قرب کا قیاس اپنے قرب پر کرنا، یہ تو بالکل قیاس مع الفارق ہے، وہ زمان و مکان اور مسافت سے پاک ہے، تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذَالِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا ، خدا کے قرب کے معنی ہی کچھ اور ہیں، یہ نہیں کہ تم میرے ساتھ مکانی طور پر قریب ہو گئے یا قریب آ کر بیٹھے تو میرے بدن کے قریب ہو گئے، اللہ تعالیٰ اس قرب سے پاک ہے، کیونکہ وہ جسم اور جسمانیت سے پاک ہے، جہت علو اور جہت اسفل تمام جہات سے پاک ہے، تو پھر خدا کے قرب کا کیا مفہوم ہو گا؟

خدا کے قرب کے معنی یہ ہیں کہ جس کو خدا کی جتنی معرفت حاصل ہو گی وہ اتنا خدا کے قریب ہو گا، خدا تو سب کے قریب ہے مگر خدا کے قریب صرف وہی ہے جس کو خدا کی معرفت ہے، آپ کلمہ پڑھتے ہیں لاالٰہَ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں)، آپ نے خدا کے معبود ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کیا ہے۔ یہ آپ کی معرفت ہے اور جو لا الہ الا اللہ پر یقین نہیں رکھتا اُسے خدا کی معرفت نہیں ہے کیونکہ اگر معرفت ہوتی تو وہ لا الہ الا اللہ پر یقین رکھتا، لا الہ الا اللہ پر یقین رکھنے والے خدا کی معرفت رکھتے ہیں، لہٰذا وہ خدا کے قریب ہیں۔

اب خدا کے قرب کے درجات اور اس کی معرفت کے درجات لامتناہی ہیں یعنی اُن کی کوئی انتہا نہیں۔ نہ اس کے درجات معرفت ختم ہوتے ہیں اور نہ اس کے قرب کے درجات ختم ہوتے ہیں۔ جتنے درجات معرفت حاصل ہوتے جائیں گے اتنا ہی قرب میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ درجات معرفت بڑھیں، بُعد ختم ہو یعنی دُوری ختم ہو تو واللہ باللہ ثم تاللہ! اللہ والوں کے بغیر تم وہ درجاتِ معرفت طے نہیں کر سکتے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۔

ہم نے جب لا الہ الا اللہ کہا تو خدا کی توحید اور معبودیت کی تصدیق اور زبان سے اقرار کیا۔ یہ خدا کی معرفت ہے۔ چونکہ درجات معرفت لامتناہی ہیں لہٰذا ان لامتناہی درجات و معرفت کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں وسیلہ کی ضرورت ہے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ اپنی معرفت کے لئے انبیاء و رُسل کو بھیجتا ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ یعنی توحید و رسالت کی تعلیم دیں اور خدا کی معرفت عطا کریں، لا الہ الا اللہ کہنے کے لئے نبی کی ذات وسیلہ ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی معرفت کے درجات اور قرب کے مراتب حاصل کرنے کے لئے بھی وسیلہ کی ضرورت ہے۔

اب میں اس حقیقت کو ذرا اور واضح کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تو ہم سب کے قریب ہے مگر ہم سب اللہ کے قریب

نہیں۔ اللہ سے قریب کوئی کوئی ہے اور وہی ہے جس کو اللہ کی معرفت حاصل ہوگئی ہے۔ یہاں یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ جب خدا ہر ایک کے قریب ہے تو ہر ایک بھی خدا کے قریب ہے۔

مسئلے کی مزید وضاحت کے لئے مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک تمثیل مختصراً بیان کرتا ہوں، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایک جوہری کے پاس ایک ایسا بیش بہا لعل تھا جس کی قیمت سوائے بہت بڑے بادشاہ کے کوئی اور ادا نہیں کرسکتا تھا۔ اس جوہری نے سوچا کہ میں لعل کس کے ہاتھ فروخت کروں؟ کوئی اس کی قیمت تو دے نہیں سکتا، کیوں نہ فلاں ملک کے بادشاہ کے پاس چلا جاؤں اور اسے جا کر لعل پیش کروں اور قیمت وصول کروں۔ چنانچہ وہ اپنا لعل لے کر اس ملک کی طرف روانہ ہوگیا، دور دراز کا سفر تھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ایک آدمی کو پتہ چل گیا کہ یہ جوہری بیش بہا لعل لئے جارہا ہے اور یہ کسی بادشاہ کے پاس جا کر اس کی قیمت وصول کرے گا، تو کیا ہی اچھا موقع ہے کہ میں اس کے ساتھ ہولوں اور دوران سفر جہاں موقع ملے میں لعل لے کر چلتا بنوں۔ چنانچہ وہ جوہری کے ساتھ ہولیا۔ دوران سفر جب ان کی ملاقات ہوئی تو اس نے کہا بھائی تم بھی مسافر ہو اور میں بھی مسافر، کیوں نہ دونوں ایک ساتھ چلیں؟ جوہری نے انکار نہ کیا اور دونوں ایک ساتھ چل پڑے، رات کا وقت آیا تو جوہری نے سوچا، نہ معلوم یہ کون ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا لعل لے کر چلتا بنے۔ جوہری نے عقل سے کام لیا۔ اس کہا دیکھو بھائی بات یہ ہے کہ ہم دونوں مسافر ہیں اور ایک دو مہینوں کا سفر ہے، ظاہر ہے جاگتے جاگتے تو طے نہیں ہوسکتا۔ بشری تقاضا ہے، سونا ہے، آرام بھی کرنا ہے۔ اب اگر ہم دونوں سو جائیں تو دونوں کے لئے خطرہ ہے کہ کوئی تیسرا آ کر ہم دونوں کو ختم کردے اور ہمارا سامان لے جائے، تو دونوں کو نقصان ہوگا۔ اور دونوں جاگتے رہیں تو کب تک جاگتے رہیں گے؟ تو اب اس کی صورت یہی ہوسکتی کہ آدھی رات تم سو جاؤ اور میں جاگتا ہوں اور آدھی رات میں آرام کروں گا پھر تم جاگتے رہنا۔ بات معقول تھی۔ اس کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ لہذا اسی پر فیصلہ ہوگیا۔ رات ہوئی، سونے کا وقت آیا۔ جوہری نے کہا آدھی رات تم سو جاؤ جب وقت ہوگا میں تمہیں اٹھادوں گا اور میں سو جاؤں گا۔ جوہری نے اسے سُلا دیا۔ تھکا ماندہ تھا، بے ہوش ہوکر سو گیا اور نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ جوہری نے سوچا آدھی رات کے بعد میں نے اسے اٹھانا ہے اور جب میں سو جاؤں گا تو اسی طرح بے خبر سوؤں گا، تو اس بیش قیمت لعل کا کیا کروں؟ کافی سوچ بچار کے بعد جوہری نے لعل کو سوئے ہوئے ساتھی کے کپڑوں میں اس طرح چھپا دیا کہ اسے مطلقاً احساس نہ ہوا۔ جب وہ مطمئن ہوگیا کہ اس نے لعل کو کپڑوں کے اندر محفوظ کردیا

ہے،تو آدھی رات گزرنے کے بعد جوہری نے اسے اُٹھادیا کہ بھائی آدھی رات گزر گئی،اب تم جاگو، میں سوتا ہوں۔وہ خوشی خوشی اٹھ بیٹھا۔اس نے جوہری سے کہا،ٹھیک ہے اب تم سو جاؤ۔جوہری اطمینان سے سو گیا، کیونکہ اس کو لعل کی تو بالکل فکر نہ تھی۔جوہری جب سو گیا تو اس کے ساتھی نے اس کی تلاشی لینی شروع کر دی۔اس کے سارے بدن کو ٹٹولا مگر لعل تو جوہری کے پاس تھا ہی نہیں، ملتا کہاں سے؟نہیں ملا،رات گزر گئی۔دن کو قیلولے کے وقت جوہری نے چپکے سے اپنا لعل نکال لیا۔یہ بڑا پریشان ہوا مگر یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا کہ چلو آج نہ سہی کل رات سہی،کل نہ سہی پرسوں رات سہی، لعل تو مجھے مل ہی جائے گا۔دن گزر گیا رات آ گئی۔جوہری نے کہا آدھی رات تم سو جاؤ۔اس نے کہا ٹھیک ہے۔ جوہری نے گہری نیند دیکھ کر لعل پھر اس کے کپڑوں میں چھپا دیا۔آدھی رات کے بعد جوہری جب سو گیا تو یہ پھر اس کے کپڑوں میں لعل تلاش کرتا رہا۔نہ ملا۔صبح ہو گئی۔دوپہر ہوئی قیلولے کا وقت آیا،ساتھی آرام کر رہا تھا۔جوہری نے چپکے سے اپنا لعل نکال لیا جو کہ رات اُس کے کپڑوں میں چھپایا تھا۔جوہری لعل کو اچھالنے لگا۔وہ ساتھی بڑا پریشان ہوا کہ ساری رات میں ڈھونڈتا رہا، مجھے نہیں ملا،اب اس کے پاس کہاں سے آ گیا؟اگلی رات ہوئی۔جوہری نے پھر یہی کام کیا،لعل اس کے کپڑوں میں چھپا دیا۔دوپہر وہ آرام کرنے کے لئے سویا تو پھر نکال لیا۔نہ لعل رکھنے کا اس کو پتہ چلا نہ نکالنے کا۔جوہری روزانہ لعل ہاتھوں میں لے کر اچھالتا۔ساتھی پریشان ہوتا کہ رات کو میں تلاش کر کر کے مر جاتا ہوں، مجھے نہیں ملتا۔آخر کیا بات ہے؟،روزانہ اسی طرح ہوتا رہا۔دو مہینے کا سفر تھا آخر ختم ہو گیا۔ساتھی بولا بھائی سوداگر! سفر تو بخیر وخوبی ختم ہو گیا لیکن اللہ کے لئے مجھے یہ تو بتا دے کہ وہ لعل تو کہاں رکھتا تھا۔میں تو بہت تلاش کرتا تھا، نہ جانے لعل کہاں ہوتا تھا؟،جوہری کہنے لگا لعل تو تجھ سے قریب ہوتا تھا مگر تو لعل سے دور ہوتا تھا۔اس نے کہا یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ لعل تو مجھ سے قریب ہوتا تھا اور میں لعل سے دور ہوتا تھا۔جوہری نے کہا لعل میں تیرے کپڑوں میں چھپا دیتا تھا مگر تجھے اس کی معرفت ہی نہیں ہوتی تھی۔تو اپنے کپڑوں میں، اپنے سامان میں اسے تلاش ہی نہیں کرتا تھا حالانکہ لعل تو تیرے کپڑوں میں تیرے پاس ہوتا تھا۔تجھے اس کی معرفت نہیں ہوتی تھی یعنی لعل تو تیرے قریب تھا مگر تو لعل سے دور تھا۔

مولانا روم اس حکایت کے آخر میں فرماتے ہیں۔اولیاء کا یہی مقام ہے کیونکہ انہیں خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔وہ کہیں بھی ہوں،کسی حال میں میں بھی ہوں،کسی لباس میں ہوں،خدا سے قریب ہوتے ہیں اور جو خدا کے منکرین ہیں وہ کہیں بھی ہوں،کسی صورت میں بھی ہوں،کسی لباس میں ہوں،خدا ان سے قریب ہے مگر وہ خدا سے دُور ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے وسیلہ عظمیٰ کے ہوتے ہوئے آپ اولیاء اللہ کو درمیان میں بحیثیت وسیلہ کیوں لاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ ہی کافی ہے۔

سنئے اولیاء اللہ جو ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمارے درمیان وسیلہ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے اور ہمارے درمیان وسیلہ ہیں۔ اولیاء کے راستہ پر چل کر ہم بارگاہ رسالت تک پہنچتے ہیں اور بارگاہ رسالت وسیلہ ہے بارگاہ خداوندی تک پہنچنے کا۔

یہاں ایک سوال آیا ہے کہ وسیلہ کے ذریعے آپ کو معرفت خداوندی حاصل ہوگئی یا نہیں؟ اگر معرفت خداوندی حاصل ہوگئی تو وسیلے کی اب حاجت نہ رہی، وسیلہ بیکار۔ اور اگر معرفت حاصل نہیں ہوئی تو وسیلہ پھر بھی بیکار۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ وسیلہ کسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے جب مقصد حاصل ہوگیا تو وسیلے کی حاجت ختم ہوگئی۔ اب اسے ترک کرنا پڑے گا۔ مثلاً ہم کراچی سے گاڑی میں بیٹھ کر ملتان آ گئے۔ ملتان تک ٹرین وسیلہ تھی۔ اب جب ملتان کا اسٹیشن آیا تو ہم نے سوچا اگر ملتان اُتر جائیں تو وسیلہ ہاتھ سے جاتا ہے۔ اگر نہ اُتریں تو مقصد ہاتھ سے جاتا ہے۔ اب کیا کریں؟، مقصد کو حاصل کریں یا وسیلے کو؟

قاعدہ تو یہ ہے کہ جب مقصد حاصل ہو جائے تو وسیلے کو ترک کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا اگر تمہیں خدا کی معرفت حاصل ہوگئی تو اب وسیلے کو چھوڑ دو۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ تک پہنچ گئے تو اولیاء کے وسیلے کو چھوڑ دو۔ اگر بارگاہ خداوندی کی معرفت حاصل ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے کو چھوڑ دو۔

میرے دوستو! میں عرض کرتا ہوں اگر مقصد متناہی ہے یعنی مقصد کی کوئی انتہا اور حد ہے تو وسیلہ بھی متناہی اور اگر مقصد غیر متناہی ہے تو وسیلہ بھی غیر متناہی ہوگا۔ آپ نے سوال میں جو کراچی سے ملتان کی مثال دی ہے وہ متناہی مقصد کی مثال ہے۔ اگر مقصد غیر متناہی ہے تو وسیلہ بھی غیر متناہی ہوگا۔ ہمارا مقصد خدا کی ذات ہے اور خدا کی ذات لامتناہی ہے، اس کی صفات لامتناہی ہیں بلکہ اس کی معرفت کے درجات بھی لامتناہی ہیں۔ تم خدا کی معرفت کے درجات ختم کر دو میں وسیلے کو چھوڑ دوں گا۔ مزید وضاحت کے لئے عرض کرتا ہوں!

ہم ہر نماز میں سورۃ فاتحہ میں یہ کلمات پڑھتے ہیں اھد نا الصراط المستقیم، یا اللہ ہمیں سیدھی راہ دکھا، صراط مستقیم پر چلا۔ آپ سے پوچھتا ہوں کیا آج تک آپ کو سیدھی راہ نہیں ملی؟ پھر کوئی شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ایک آدمی موت کے وقت بھی نماز میں یا ویسے ہی اھد نا الصراط المستقیم کہہ رہا ہے، گویا اب تک اسے سیدھی راہ نہیں ملی، کیا

آپ اسے مان لیں گے؟ اگر یہ بات تسلیم کرلیں کہ اسے اب تک سیدھی راہ نہیں ملی، اگر نہیں ملی تو بے ایمان مرا، اور اگر اسے سیدھی راہ مل گئی ہے تو پھر اھد نا الصراط المستقیم کی دعا کیوں مانگ رہا ہے؟

عزیزانِ گرامی میں عرض کردوں اھدنا الصراط المستقیم کی دعا بھی اس کی معرفت کی راہیں ہیں اور اس کی معرفت کی راہیں کہیں ختم نہیں ہوتیں، لہذا ہماری دعا بھی کہیں ختم نہیں ہوتی۔ ہم معرفت کے جس درجے پر پہنچے اس کے بعد ایک اور درجہ ہے، ہم نے کہا مولا! اپنی معرفت کے اس درجے پر پہنچنے کی راہ دکھا۔ نہ اس کی منزلیں ختم ہوں گی، نہ اس کی راہیں ختم ہوں گی اور نہ دعائیں ختم ہوں گی، کل یوم ھو فی شان، فبای الاءِ ربکما تکذبٰن.

جسے منزل سمجھتا ہوں وہ پھر منزل نہیں رہتی
حجاب نور کا یہ سلسلہ یارب کہاں تک ہے

www.IslamiEducation.com